

باسمہ تعالیٰ

لمعات

(اسلام اور سیاسی پارٹیاں)

قارئینِ طلوع اسلام میں سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ آپ نے وحدتِ امت کے حق میں اور فرقہ بندی اور تفرقہ انگیزی کے خلاف جو کچھ لکھا ہے وہ ایسا جامع اور اتنا بدلتا ہے کہ اس کے بعد اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ امت میں ہر قسم کا اختلاف اور افتراق خلافِ اسلام ہے۔ دین (اسلامی نظام) اور وحدتِ امت لازم و ملزوم ہیں۔ لیکن اس کے باوجود، مردِ جہ اسلام یا سیکولرزم کے حامی مسلمان اس حقیقت کے خلاف طرح طرح کے اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں یہاں ایک صاحب فرماتے ہیں کہ کون کہتا ہے کہ اسلام میں سیاسی پارٹیوں کی اجازت نہیں۔ خود صحابہؓ میں سیاسی پارٹیاں موجود تھیں۔ مہاجرین اور انصار اور سیاسی پارٹیاں تھیں جنہوں نے اسی حیثیت سے، سفید بنی سعد میں پہلا انتخاب لڑا تھا۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ صدیق کا انتخاب۔ اس کے متعلق وضاحت مطلوب ہے۔

ہم بھی عجیب "قسمت" لے کر آئے ہیں! ایسا نظر آتا ہے گویا (عوام کے الفاظ میں) ہمارے مقدور میں یہ لکھا ہے کہ ہم عمرِ جہ اسلام کے مسلمات اور بدیہیات کی ممانعت کرتے رہیں، اور دین کے ان اساسی اصولوں کے خلاف (جن کے واجبِ التسلیم ہونے میں کسی مسلمان کو شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے) خود مسلمانوں کی طرف سے اعتراضات کا جواب دیتے رہیں۔ تحریکِ پاکستان کے دوران، ہمارا سارا وقت اس بنیادی حقیقت کو "ثابت کرنے" میں صرف ہو گیا کہ دین کا ٹکس صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلمانوں کی اپنی آزاد مملکت ہو جس میں قرآن کریم کے احکام و اقدار قانونِ مملکت کی حیثیت سے نافذ ہو سکیں۔ حصولِ پاکستان کے بعد اس بحث کا خاتمہ ہوا تو اس قسم کے سوالات ابھرنے شروع ہو گئے کہ اسلامی مملکت کسے کہتے ہیں۔ کسی مملکت کے آئین و قوانین کو اسلامی کس صورت میں کہا جاسکتا ہے؟ اسلامی حکومت اور سیکولر نظام میں فرق کیا ہے؟ ہمارے وقت اور توانائی کا بیشتر حصہ اسی قسم کے سوالات کے جواب دینے اور دین کے مسلمات کو لوگوں کو ثابت کرنے میں صرف ہو گیا (اور موردِ ملامت ہے)۔ اعتراضات تو ہر قسم کے سامنے آتے رہتے ہیں، اور ہم ان کے خورگ بھی ہو چکے ہیں، لیکن یہ اعتراض (جس کی طرف شروع میں اشارہ کیا گیا ہے) نہ صرف

طلوع اسلام

یہ کہ ہم نے پہلی بار سنا ہے بلکہ جہاں تک ہماری یاد دہانی کرتی ہے ہماری تاریخ میں پہلی بار ایسا کہا گیا ہے کہ مجاہدین اور انصار دوسری پارٹیاں تھیں! اس پر ہم اس سے زیادہ کیا عرض کریں کہ ایسا کہنے والے نہ صرف یہ کہ اسلام کی بنیادی تعلیم سے نادان تھے ہیں بلکہ انہوں نے صحابہ کبارؓ پر ایسا سنگین الزام لگایا اور ایسا روح فرسا بہتان تراشا ہے جس سے ہمارے پاؤں تلے سے زمین زمین نکل گئی ہے۔ پھر اس کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ ہمارے ہاں (بقسمتی سے) اقامتِ دین کے مدعیوں نے یہ طرح ڈال دی ہے کہ جہاں کسی نے ان کی کسی مذہب کی حرکت پر مداخلت کیا، انہوں نے جھوٹ سے کہہ دیا کہ یہ اسلام کے عین مطابق ہے۔

ہم اس موضوع پر گزشتہ تیس سال سے لکھتے چلے آ رہے ہیں اور اس کی بیسیوں مثالیں بھی دیتے رہے ہیں۔ ان کے دہرائے کی یہاں ضرورت نہیں۔ یہ قائدینِ طلوعِ اسلام کے ذہن میں ہو گا۔ سر و دست بات سیاسی پارٹیوں کی ہو رہی ہے۔ جب ان کے وجود کو غیر اسلامی کہا گیا تو جواب میں کہہ دیا کہ سیاسی پارٹیاں خود صحابہؓ میں موجود تھیں۔ انصار اور مجاہدین دوسری پارٹیاں ہی تو تھیں! ایسے ہی تھے وہ حضرات جن کے متعلق اقبالؒ نے انتہائی سوز و گداز کے عالم میں کہا تھا کہ

چو کوشتِ زمسان نامسلما نے کہ گریہ پورِ خلیل است، آذری دہانہ
اور ہماری بدقسمتی ملاحظہ فرمائیے کہ ہمیں اس قسم کے اعتراضات کا بھی جواب دینا پڑتا ہے!
کے معلوم تھا، عشق اس طرح لاچار کرتا ہے!

(۰)

نوع انسان مختلف وجوہات و علل کی بنا پر، مختلف گروہوں میں بٹے چلی آرہی تھی۔ قرآنِ کریم نے ان تمام وجوہ تفریق و اسباب تقسیم کو بالائے طاق رکھ کر تمام انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔
هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ط..... (۶۶)
اللہ نے تم تمام انسانوں کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے کچھ کافر ہو گئے۔ کچھ مومن۔
وہ کوفہ صداقت تھی جس کے ماننے والے (مومن) ایک گروہ قرار پا گئے۔ اور اسے ماننے والے (کافر) دوسرا گروہ۔ یہ ضابطہ خداوندی تھا جسے اس کی ان کتاب یا قرآن مجیدؐ کہا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، قرآنِ کریم کو اپنی زندگی کا ضابطہ ماننے والے، ایک گروہ۔ ایک جماعت۔ ایک اُمت۔ ایک "پارٹی"۔ اور ایسا نہ ماننے والے، ان کے بالمقابل دوسرا گروہ۔ دوسری اُمت۔ دوسری پارٹی۔ انہی دو گروہوں کو اس نے حزبِ اللہ — اللہ کی پارٹی (۶۷) اور حزبِ الشیطان — شیطان کی پارٹی (۶۸) کہہ کر پکارا ہے۔ لہذا، اسلام کی رو سے دنیا میں پارٹیاں دو ہی ہیں — حزبِ اللہ اور حزبِ الشیطان۔

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، حزبِ اللہ کی وجہ جامعیت، ضابطہ خداوندی (قرآنِ مجید) کے ساتھ تمکک اور اختصاص تھا۔ یعنی دنیا کے مختلف افراد، جنہوں نے کتابِ اللہ کو ضابطہ حیات تسلیم کر لیا، حزبِ اللہ کے امکان بن گئے۔ اس لئے ان سے تاکید کیا کہ

وَالْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا... (سورہ)
(اے افراد حزب اللہ) تم سب کے سب، اللہ کے کتاب کے ساتھ وابستہ رہو اور
آپس میں تفرقہ مت پیدا کرو۔

یعنی ارکان حزب اللہ (افراد جماعت مومنین۔ امت مسلمہ) میں سے جس نے ضابطہ خداوندی کے سوا کسی اور ضابطہ کے ساتھ تمسک (پیوستگی) کر لی وہ اس حزب کا دشمن اور اس جماعت کا فرد نہ رہا۔ تفرقہ کی معنی یہی اصل سے الگ ہو جانا ہے۔ اس لئے "اعتصام بحبل اللہ" کے ساتھ تفرقہ سے اجتناب کی بھی تاکید کر دی، کیونکہ یہ دونوں یکجا نہیں رہ سکتے۔ اعتصام بحبل اللہ ہو گا تو اس کا نتیجہ امت واحدہ ہو گی۔ اعتصام بحبل اللہ نہ رہے گا تو وحدت ٹوٹ جائے گی اور تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔ اسی لئے قرآن کریم نے اعتصام بحبل اللہ کو توحید اور تفرقہ کو شرک قرار دیا ہے۔ فرمایا:-

.... وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۚ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا كُلًّا

حِزْبٍ مِّمَّا نَسَا يَهْتَدِي خُذُونَ ۝ (سورہ ۳۱)

اے جماعت مومنین! دیکھنا! کہیں تم (توحید کے نازل ہونے کے بعد) مشرکین میں سے نہ ہو جانا یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر لیا اور اس طرح ایک الگ پارٹی بنائی۔ اس پارٹی بازی میں کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر گروہ اپنے آپ کو حق پر (اور دوسری پارٹیوں کو باطل پر) سمجھتا ہے۔

رسول اللہ حزب اللہ (امت مسلمہ) کی مملکت کے سربراہ تھے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اس حزب سے الگ کوئی پارٹی بنا لیں، ان کے سربراہ (HEAD) رسول اللہ نہیں رہیں گے۔ اس لئے فرمایا کہ

إِنَّ السَّيِّئِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَّسَنَتٍ مِنْهُمْ فِي سُوءٍ كَثِيرٍ

اے رسول! جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر کے الگ پارٹی بنا لیں، تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں رہے گا۔

ان آیات میں دین میں تفرقہ پیدا کر کے ایک الگ پارٹی (شیعہ یا حزب) بن جانے کو شرک اور رسول اللہ سے لا تعلق (کفر) قرار دیا گیا ہے۔ اسلام میں (یعنی قرآن کی روش سے) مذہب اور سیاست الگ الگ نہیں۔

دین ان دونوں کے امتزاج کا نام ہے۔ مذہب اور سیاست کا الگ الگ تصور اور الگ الگ اصطلاحات (سیکولرزم) کی پیدا کردہ ہیں۔ لہذا جب قرآن کریم نے دین میں تفرقہ کو شرک اور انکار رسالت قرار دیا تو اس میں مذہبی فرقہ بندی اور سیاسی تحریک پارٹی بازی (دونوں آگے) ذرا غور کیجئے کہ مذہبی فرقے اور سیاسی پارٹیاں دہرہ میں کس طرح آتی ہیں؟ مذہبی فرقے عقائد میں اختلاف سے پیدا ہوتے ہیں اور سیاسی پارٹیوں کا منشور الگ الگ ہوتا ہے۔ اگر صرف خدا کی کتاب کے ساتھ تمسک ہو تو نہ عقائد مختلف ہو سکتے ہیں، نہ منشور الگ الگ۔ اور جب عقائد اور منشور الگ الگ نہیں ہوں گے تو نہ مذہبی فرقے باقی رہیں گے نہ سیاسی پارٹیاں۔ ایک ضابطہ حیات اور اس کی ماننے والی ایک امت باقی رہے گی۔ یہی اسلام کی بنیادی شکل ہے۔

اچھیں بھائی بھائی بنا دیا۔ وہ ایک جماعت تھی۔ جنہیں مَڑھوڑوں سے بڑھ کر دلیوار (پٹنہ) تھی۔ ہم پوچھتے ہیں ان ہرجہم رواج سے جو فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سیاسی پارٹیوں میں بیٹے ہوئے تھے، کہ کیا سیاسی پارٹیوں کے افراد کے باہمی تعلقات اسی قسم کے ہوتے ہیں؟ وہ تو ایک دوسرے کے جان دشمن اور ہر وقت دوسری پارٹی کی تخریب اور تذبذب کی فکر میں رہتے ہیں۔

اب آئیے ہاجرین اور انصار کی طرف! سب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ ان کی صورت یہ نہیں تھی کہ جماعت مومنین میں سے کچھ لوگوں نے اپنا الگ منشور مرتب کر کے، اپنی جدا گانہ پارٹی بنالی تھی جسے وہ ہاجرین کے نام سے منسوب کرتے تھے۔ اور ان کے مقابل، دوسری پارٹی نے اپنا الگ منشور اختیار کر کے دوسری پارٹی قائم کر لی تھی جو انصار کے نام سے موسوم تھی۔ بات یہ نہیں تھی۔ ہجرت اور انصاریت ان کی خصوصی صفات تھیں جن سے متعصّف ہونے کی بنا پر انہیں ہاجرین اور انصار کہہ کر پکارا گیا تھا۔ بعض افراد وہ تھے جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔ اور دوسرے وہ جو مدینہ کے رہنے والے تھے اور انہوں نے ان آنے والوں کا دل کی کشاد سے استقبال کیا اور ان کی ہر طرح سے امداد کی۔ قرآن کریم نے ان کی ان خصوصی اور متمیز صفات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ط..... (سورہ ہجرت)

وہ لوگ جنہوں نے اپنی جان اور مال سے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور ہجرت کی۔ اور وہ جنہوں نے ان کے دل لٹ پٹ کر آنے والوں کو) پناہ دی اور ہر طرح سے ان کی امداد کی۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے دوست اور پشت پناہ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں، "بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ" کہا ہے۔ نبی اکرمؐ نے عمل تمام اٹھایا اور ان میں سلسلہ و موافقات قائم کر دیا۔ یعنی ہاجرین میں سے ایک کو انصار میں سے ایک کا بھائی بنا دیا۔ اور اس موافقا میں انہوں نے "من تو شدم تو من شدی" کا ایسا مجید العقول ثبوت دیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان تعلقات اخوت میں وہ اس حد تک آگے بڑھے کہ تقدیم وراثت تک، میں انہیں حصّہ دار سمجھنے لگے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کو انہیں اس سے روکنا پڑا۔ کیونکہ اس سے بھی دشمنہ دایلوں کے مفاد متاثر ہوتے تھے۔ (سورہ آل عمران) قرآن کریم نے ان دونوں کو "مومن حقاً" (پختے اور پختے مومن) کی سند سے نوازا۔ (سورہ آل عمران) اور رضی اللہ عنہم عنہم ورضوا عنہم وہی ہے، کی شہادتوں سے مقرر فرمایا اور انہیں جنت کا مستحق قرار دیا ہے۔ ان کا یہ قنار فی شخص و ہاجرین اور انصار) ابتداءً ہجرت سے وجود میں آ گیا تھا اور حضور نبی اکرمؐ کی پوری مدنی زندگی میں یہ اسی طرح قائم رہا۔ کیا اس دوران میں کہیں آپؐ کو ان کے دو جدا گانہ سیاسی پارٹیوں کے افراد ہونے کی خفیف سی جھکنا بھی دکھائی دیتی ہے؟

معرضین کا کہنا یہ ہے کہ، رسول اللہؐ کی زندگی میں تو ایسا نہیں ہوا تھا لیکن رسول اللہؐ کی وفات کے فوراً بعد انہوں نے یکایک دو متخاصم سیاسی پارٹیوں کی شکل اختیار کر لی تھی اور حصول اقتدار کی خاطر امت کا پہلا

انتخاب لڑا تھا! ایسی (بقول ان کے) رسول اللہ کی وفات کے فوری بعد ان میں ایسا انقلاب آیا کہ انہوں نے ”رَحِمَہُ اللہُ نَبِیُّہُمْ“ ”بَعْضُہُمْ اَوْلِیَاہُ بَعْضِی“ ”اَلْقَتَ بَیْنَہُمْ خُلُوْبَ کُھْم“ ”قَامَہُمْ بَیْنَہُمْ بِیْنِہُمْ سَیِّئَاتُہُمْ اِخْوَانًا“ کا خدائے سمندرات اور رسول اللہ کی قائم کردہ مؤامعات کا بارہ یک دم اتار بیٹھا اور دو حریف گروہوں کی شکل میں انتخاب لڑنے کے لئے ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑے ہو گئے! (عباد اللہ)۔ ظاہر ہے کہ ان میں ایسی تبدیلی راتوں رات تو نہیں آ سکتی تھی۔ (لیکن اس میں تو ایک رات بھی نہیں گزری تھی۔ انتخاب کا واقعہ تو حضور کی وفات کے ساتھ ہی کا ہے) اس اعتراض سے تو ایسا مترشح ہوتا ہے کہ یا وہ عمر بھر انہی خطوط پر دل میں سوچتے رہے ہوں گے اور جو نہی موقع ملا وہ بے نقاب ہو کر سامنے آ گئے۔ (استغفر اللہ!)

سوال یہ ہے کہ اس بات کی سند کیا ہے کہ مہاجرین اور انصاریہ اس انتخابی مہم میں متخالف سیاسی پارٹیوں کی طرح ایک دوسرے کے متر مقابل تھے؟ اس کی سند ہے ہماری تاریخ۔ اس تاریخ میں اتنا ہی نہیں کہا گیا کہ انہوں نے ایک ہی انداز سے یہ انتخاب لڑا تھا۔ تاریخ اس سے آگے بھی بڑھتی ہے اور فریقین کے باہمی جدال کی ایسی تفصیلات پیش کرتی ہے جنہیں سینے پر پتھر رکھ کر بھی درج نہیں کیا جاسکتا۔ ہماری تاریخ کے اردو تراجم بھی عام طور پر ملتے ہیں۔ جس کا جی چاہے انہیں دیکھ سکتا ہے۔ پروفیز صاحب کی کتاب ”شاہکار رسالت“ میں بھی بہت سی تاریخی تفصیلات دی گئی ہیں۔

تاریخ کے علاوہ، ہماری کتب روایات میں بھی صحابہؓ کے متعلق بہت کچھ ملتا ہے۔ مثلاً بخاری شریف کی اس روایت کو سامنے لائیے جس میں کہا گیا ہے کہ

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے چند صحابہؓ کو جہنم کی طرف لئے جا رہے ہوں گے۔ میں کہوں گا، یہ تو میرے صحابہؓ ہیں۔ اس پر اللہ فرمائے گا کہ جب آپ ان سے الگ ہوئے تو یہ لوگ (مرتدین علیٰ اعقابہم) اسلام چھوڑ کر اپنے پیچھے دین کی طرف لوٹ گئے تھے۔

(بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ ترجمہ شائع کردہ نور محمد تاجر کتب۔ کراچی۔ جلد دوم۔ ص ۱۴۹)

یہاں تو پھر بھی ”چند صحابہؓ“ کا ذکر ہے۔ ہماری تاریخ جملہ صحابہؓ کی بار بار کو جس مقام پر پہنچاتی ہے اس کے تصور سے (عام الفاظ میں) ”عرش الہی تک ہل جاتا ہے“۔ قرآن مجید میں ہے کہ

مَنْ یَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَدًّا ۖ فَرَجَزَآءُہٗ جَہَنَّمُ خَالِدًا ۖ فِیْہَا وَعَظِیْبُ اللّٰہِ
عَذِیْبُہٗ وَلَعْنَتُہٗ وَآعَدَ اللّٰہُ عَذَابًا عَظِیْمًا (۲۴۰)

جو شخص کسی مومن کو بالارادہ قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ رہے گا۔ اس پر خدا

کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی۔ خدا نے اس کے لئے شدید عذاب تیار کر رکھا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ قرآن کریم کی رو سے ایک مومن کے قتلِ عمد کی پاداش اور عقوبت کیا ہے؟ لیکن تاریخ میں بتاتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جنگ جمل ہوئی تو اس میں (بجز معدودے چند) آدھے صحابہ رضی اللہ عنہم ایک طرف تھے اور آدھے دوسری طرف۔ ان میں باہمی جنگ ہوئی جس میں دس ہزار صحابہ ایک دوسرے کے ہتھکڑیاں پہنے ہوئے۔ اور ظاہر ہے کہ جنگ میں قتلِ بالارادہ ہوتا ہے۔ اس میں ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ دوسرے کو قتل کر دے۔ دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کا قتلِ عمد خود ایک دوسرے کے ہتھکڑیوں سے ہے۔ اور اس کے بعد جنگ صفین میں (تاریخ کے بیان کے مطابق) ستر ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے! آپ سوچئے کہ اگر اس تاریخ کو مستند مان لیا جائے تو پھر قرآن کریم کے مذکورہ صدر فیصلہ کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق کیا نتیجہ اخذ کیا جائے گا؟ یہ ہے ہماری وہ تاریخ جس کی بنیاد یہ ہے کہ مہاجرین اور انصار دو مستقل سیاسی پارٹیاں تھیں۔ اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس (مزموئہ) روش کو سند قرار دے کر یہ اصول مستنبط کیا جاتا ہے کہ اسلام میں سیاسی پارٹیاں قائم کرنے کی اجازت ہے!

حقیقت یہ ہے کہ اقت ہزار سال سے جس فلفشار، انتشار، اختلاف اور افتراق کے عذاب میں مبتلا چلی آرہی ہے اس کا بنیادی سبب ہماری تاریخ ہے (جس میں روایات بھی شامل ہیں) آپ کو معلوم ہے کہ یہ تاریخ مرتب کب اور کس طرح ہوئی تھی؟ ہمارے ہاں سب سے پہلی مفصل تاریخ (جسے نہایت مستند قرار دیا جاتا ہے) امام طبریؒ کی تاریخ ہے۔ (سب سے پہلی تاریخ بھی ان کی ہے اور سب سے پہلی تفسیر بھی انہی کی) یہ طبرستان کے رہنے والے تھے۔ ۳۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے تیرہ جلدوں میں صدرِ اقل کی تاریخ، تغیر کسی سابقہ ریکارڈ کے، زبانی روایات کی بنیاد پر مرتب کی۔ اس کے علاوہ، انہوں نے تیس جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی۔ ان کی یہی تاریخ بعد میں مرتب ہونے والی تاریخوں کا ماخذ، اور ان کی تفسیر تمام تفسیر کا سرچشمہ قرار پائی۔

مزوجہ اسلام، اسی قسم کی تاریخ۔ تفسیر اور روایات پر مبنی ہے۔ (احادیث کے مجموعے بھی اسی طرح زبانی روایات کی بنیاد پر تیسری صدی ہجری میں مرتب ہوئے تھے۔ ان کے جامعین بھی سب ایرانی تھے۔) ہم نے یہاں مختصر اشارات پر اکتفا کیا ہے جو حضرات تفصیل مطلوبات حاصل کرنا چاہیں، وہ ادارہ کی طرف سے شائع کردہ کتاب سلیم کے نام خطرو (جلد سوم) مقامِ حدیث اور شاہکار رسالت کا مطالعہ فرمائیں۔

مہاجرین اور انصار کے دو سیاسی پارٹیاں ہونے کے دعویٰ کے سلسلہ میں ایک اور نکتہ بھی قابلِ غور ہے۔ خلافتِ راشدہ کے پورے دور میں، مملکتِ اسلامیہ کے اعیان و ارکان یہی حضرات تھے۔ کیا آپ کو خلفائے راشدین کی مجالسِ مشاورت (پارلیمنٹ) میں کہیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ ایک طرف (حزبِ اقتدار کی حیثیت سے) مہاجرین بیٹھے ہوں اور ان کے مقابل (حزبِ مخالف کی حیثیت سے) انصار اور دونوں میں وہ کچھ ہوتا ہو جو سیاسی

پارٹیوں میں جو اکرتا ہے! پاریمان کے علاوہ، کیا اس سارے قدر میں، ان کے دو متخالف سیاسی پارٹیاں ہونے کی کوئی خفیف سی..... جھلک بھی دکھائی دیتی... ہے؟ تو کیا ان کا یہ تحریک (پارٹیوں میں بیٹ جانا) انتخاب سقیفہ ہی سادہ تک محدود رہا؟ اس کے بعد انہوں نے اپنی اپنی پارٹیوں کو کالعدم قرار دے دیا؟ اس کے برعکس، ایک عجیب حقیقت سامنے آتی ہے۔ صدر اول میں (یکم اس کے بعد بھی) امیر مملکت میں نمایاں حیثیت مہاجرین کی نظر آتی ہے لیکن اُمت میں تعارفی شخص انصار کا چلا آ رہا ہے۔ "اے۔ ڈی۔ انصاری" اور "ایم۔ قیڈ۔ انصاری" تو آپ کو قدم قدم پر ملیں گے لیکن "اے۔ ڈی۔" کہیں دکھائی نہیں دے گا۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ انصار نے جو بے لوث خدمات سر انجام دی تھیں، اُمت کی نگاہ میں وہ اس قدر محبوب تھیں کہ ان کی طرف تعارفی نسبت زندہ جاوید ہو گئی۔ کیا آپ آج کے انصاریوں کو بھی ایک الگ سیاسی پارٹی کے افراد قرار دیں گے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں مختلف سیاسی پارٹیوں (بالخصوص حزب اقدار اور حزب مخالف) کا تصور تک بھی دنیا کے سامنے نہیں آیا تھا۔ عربوں کے ہاں تو ایک طرف، جہاں بطور ایک نظام اور ادارہ کے خود حکومت کا تصور بھی، اسلام سے پہلے، موجود نہیں تھا، اس زمانے کی متمکن ترین مملکتیں (رومی اور ایرانی) بھی اس سے نا آشنا تھیں۔ خود یہ ایک حقیقت بھی اس دعوے کو باطل قرار دے دیتی ہے کہ انصار اور مہاجرین دو سیاسی پارٹیاں تھیں جو اقدار حکومت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھیں! اس قسم کے دعوای سب افسانے ہیں۔

(۲)

ہم نے جو کچھ تاریخ کے متعلق کہا ہے، (اور اسے پہلی بار نہیں کہا۔ ہم اسے مسلسل دہراتے چلے آ رہے ہیں) اس پر کہا یہ جانا ہے کہ کیا ہم تاریخ اور روایات کے اس سارے مواد کو دریا بُرد کر دیں؟ کون کہتا ہے کہ انہیں دریا بُرد کر دو؟ دریا بُرد نہیں۔ ان کی تطہیر کرو۔ (مثلاً، قرآن کریم میں صحابہ کبارؓ (مہاجرین اور انصار) کی جو صفات و خصوصیات بیان فرمائی ہیں، وہ یقینی ہیں اور ان کی صداقت پر ہمارا ایمان ہے۔ اب اگر تاریخ یا روایات میں کوئی ایسی بات ملے جو ان خصوصیات اور امتیازات کے خلاف ہے تو ہم کہہ دیں گے کہ تاریخ کا یہ بیان صحیح نہیں۔ اس سے کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی۔ لیکن اگر ہم تاریخ یا روایات کے اس قسم کے بیان کو سچا تسلیم کر لیں تو قرآن کریم کی شہادت (معاذ اللہ) جھوٹی قرار پا جائیگی۔ انہیں جھوٹا سمجھنے سے تو سارا ایمان ہی باقی نہیں رہے گا!

لیکن ہمارے ہاں سند اور حجّت تاریخ اور روایات کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی کہ قرآن کی شہادت اس کی تائید کرتی ہے یا اس کے خلاف جاتی ہے! نتیجہ اس کا ظاہر ہے۔

ہم یہ لیتے چلے آ رہے ہیں کہ اُمت کو چاہیے کہ قرآن کریم کو یقینی اور آخری سند قرار دے کہ تاریخ اور روایات کے طریقہ کو اس کی روشنی میں پرکھ لیا جائے۔ ان میں جو کچھ قرآن کے مطابق ہو اسے صحیح تسلیم کر لیا

حالیکہ آدھ نام کے ساتھ "مہاجر" بھی دیکھنے میں آیا ہے لیکن اس کی نسبت مہاجرین مکہ کے ساتھ معلوم نہیں ہوتی۔

جائے۔ جو اس کے خلاف ہوا سے مسترد کر دیا جائے۔

ہمارا خیال ہے کہ اس باب میں آپ بھی ہم سے متفق ہوں گے جتنی کہ اگر آپ اسے ہمارے تداومت پسند طبقہ کے سامنے پیش کریں گے تو (نظری طور پر) وہ بھی اس کی معقولیت کے قائل ہوں گے۔ لیکن (اس کے باوجود) عملاً اس کے لئے کوئی تیار نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ تاریخ و روایات کے مرتبین اور جامعین کا تفسیر ان کا جزو اہل بن چکا ہے اور وہ اس کی ہمت ہی نہیں کر سکتے کہ جو کچھ ان حضرات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اس خریف مسی تمقید میں نگاہ بھی ڈالی جائے۔ جب تک یہ ذہنیت باقی رہے گی نہ ہمارے اختلافات رفع ہوں گے اور نہ ہی اسلام اپنی حقیقی شکل میں ہمارے سامنے آ سکے گا۔ اختلافات اس لئے ختم نہیں ہو سکیں گے کہ اس لٹریچر میں باہم گرفت مند باتیں موجود ہیں۔ کوئی فرقہ کسی ہدایت کے ساتھ متمسک ہے، کوئی کسی اور کے ساتھ — اور ان میں سے کوئی بھی اپنے مسلک میں ذرا سی تبدیلی کے لئے تیار نہیں — اور حقیقی اسلام اس لئے سامنے نہیں آ سکے گا کہ اس لٹریچر میں بہت کچھ ایسا ہے جو حقیقی اسلام کے خلاف ہے۔

سوال یہ ہے کہ تاریخ کی ایسی غیر مستند حیثیت کے باوجود ہمارے دلوں اسے اس قدر اہمیت کیوں دیتی جاتی ہے؟ اس اہم سوال کا جواب بادلنی تعمق سمجھ میں آ جائے گا۔ یہ حقیقت تاریخی طلوع اسلام کے سامنے صدمہ بار آ چکی ہے کہ

(۱) قرآن کریم میں (بجز چند احکام) دین کے اصول اور اقدار دیئے گئے ہیں۔ ان کی جزئیات اس لئے خود متعین نہیں کیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان جزئیات کو دانستہ غیر متعین چھوڑا ہے۔ منشاء خداوندی یہ تھا کہ دین کے اصول و اقدار تو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں، لیکن ان کی جزئیات، اسلامی مملکت اپنے اپنے زمانے اور حالات کے مطابق خود وضع کرے۔ یہ جزئیات حالات کی تبدیلی کے مطابق بدلتی رہیں گی۔

ہمارا تداومت پرست طبقہ، اس منشاء و مصلحت خداوندی کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے کہ اسلام نامہ ہی ان جزئیات کا ہے جو ابدی اور غیر متبدل ہیں۔ یہ جزئیات عہد رسالت میں اور دور خلافت راشدہ میں متعین ہوئی تھیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ان جزئیات کا کوئی مجموعہ نہ حضور رسالت نے امت کو دیا، نہ ہی خلفائے راشدین نے۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی حکمت بالغہ کی روش سے، خیر متعین چھوڑا ہے ان کے سامنے یہ ارشاد خداوندی تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسْأَلُوا وَأَنْتُمْ لَا تَخْلِفُونَ
تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ
حَلِيمٌ ۝ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ۝ (۱۱۰-۱۱۱)

اے جماعت مومنین! جن امور کی تصریحات ہم نے خود نہیں کیں انہیں کہہ کر بدکرمت پوچھا کر دو۔ اس وقت جبکہ وحی کا سلسلہ جاری ہے اگر (بفرض حال) ہمارے مطالبہ پر، انہیں بھی قرآن میں دیدیا جائے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ۔ قرآن میں دے دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکے

گی اور جب فقیر حالات کی بنا پر وہ ناقابل عمل ہو جائیں گی تو تمہارے لئے ان کا نیا بنانا مشکل ہو جائے گا۔ تم سے پہلے بھی ایک قوم نے ایسا ہی کیا تھا۔ پھر ان کی کیفیت یہ ہو گئی کہ انہوں نے ان ناقابل عمل جزئیات سے سمجھا چھڑانے کے لئے خود دین کے بارے ہی کو اتار بھینکا۔ لہذا جن جزئیات کا تعین ہم نے خود نہیں کیا، تم سمجھ لو کہ انہیں دانستہ ایسا رکھا گیا ہے۔

اس کی وضاحت میں نبی اکرمؐ کی ایک حدیث بھی موجود ہے۔ یعنی :-

ان الله فرض فرائض فلا تضيعوها وحرم حرما فلا تنقضوها وحدودا فلا تحتدوها وسكت عن اشياء من غير فساد فلا تمسحوا عنها۔ (مشکوٰۃ - اختصار بکتاب وسنت)

اللہ تعالیٰ نے تم پر کچھ باتیں فرض قرار دی ہیں۔ انہیں ضائع نہ کرو۔ چند چیزیں حرام قرار دی ہیں تم ان کے قریب تک بھی نہ بچو۔ اس نے چند حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور باقی چیزوں کے بیان کرنے میں خاموشی اختیار کی ہے۔ تم ان کے متعلق کرید مت کرو، کیونکہ خدا نے ایسا بھول کر نہیں کیا دانستہ کیا ہے۔

یہ تھا قیامت تک رہنے والے دین کا وہ نقشہ جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا تھا۔ لیکن ہمارے قدامت پرست حضرات کا عقیدہ ہے کہ خدا کو یہ جزئیات مرتب کر کے دینی چاہئیں نہیں، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ یہ جزئیات محمدؐ سالہا تب اور در خلافت راشدہ میں متعین ہوئیں اور ان کا قیامت تک غیر متبدل رکھا جانا مقصود و مطلوب تھا۔ اس مقصد کے لئے پہلے روایات کے مجموعے اور کتب تاریخ مرتب ہوئیں اور پھر ان میں کرید شروع ہوئی۔ اس کرید سے کسی کو کچھ ملے، کسی کو کچھ (اس لئے کہ ان کتابوں میں تضادات تھے) جس کو کچھ ملا، اس نے اسے غیر متبدل دین قرار دے لیا۔ اس طرح مختلف فرقے وجود میں آ گئے، جن میں سے ہر ایک کا اسلام، الگ الگ ہے۔ فقہ کی کتابیں مرتب ہو جانے کے بعد، مزید کرید ختم ہو گئی، کیونکہ ان میں مندرجہ جزئیات کو غیر متبدل سمجھ لیا گیا۔ یہ کرید اور دینیہ تک محدود تھی اور مملکت ان کے دائرے سے باہر تھے کیونکہ ملکیت، آزاد رہنا چاہنا، تھی یا ان میں سے اپنی مصلحت کے مطابق کچھ اختیار کرنا۔

لیکن پاکستان میں صورتِ حالات نے عجیب پلٹا لیا۔ اس مملکت کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اس لئے کہ یہ گیا کہ یہاں اسلامی نظام قائم ہو گا اور اسلامی قوانین نافذ۔ اسلامی قوانین کے متعلق حضرات علماء کرام یہ کہہ کر قوم کو بھلاتے رہے کہ یہ ضابطہ کتاب و سنت کے مطابق مرتب ہو گا۔ بیس سال کے بعد انہیں یہ اعلان کرنا پڑا کہ کتاب و سنت کے مطابق پیکی لازماً کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں ہو سکتا جس پر تمام فرقے متفق ہو سکیں۔ (مرحوم مورودی صاحب نے یہ کہا تھا اور اس مشکل کا حل یہ بتایا تھا کہ یہاں فقہ حنفی کو بطور پیکی نافذ کر دیا جائے)۔ فقہ حنفی وہ جزئیات ہیں جنہیں خدا نے دانستہ غیر متعین چھوڑ دیا تھا۔ جب ان جزئیات کی قسط اول، حدود کے نام سے نافذ ہوئی ہے تو مرحوم مورودی صاحب نے ان کا ان الفاظ میں استقبال کیا تھا :-

صدر مملکت جنرل ضیاالحق نے عید میلاد النبیؐ کے روز چند اہم اسلامی احکام و قوانین کے نفاذ کا جو اعلان کیا ہے وہ ان بے شمار نعمتوں اور مدحیہ تقریروں سے زیادہ قیمتی ہے جو رسول اکرمؐ کی شان میں کی اور کہی گئی ہیں۔ اس لئے کہ حضورؐ کی محبت کا اصل تقاضا تو آپؐ کے لائے ہوئے دین کو قائم کرنا اور آپؐ کے دیئے ہوئے احکام کو نافذ کرنا ہے جس کی نہایت مبارک اور قابل تحسین ابتدا صدر پاکستان کے اس اعلان سے ہوئی ہے۔ یہ پاکستان کی بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ اپنے جس مقصد وجود سے وہ تیس سال محروم رہا، اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ اس کی راہ پر گامزن ہو رہا ہے۔ (ایٹیا۔ مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء)

ان قوانین کی اہمیت کے متعلق انہوں نے فرمایا:-

انسانی قوانین کی خلافت ورزی کرنا اور چیز ہے اور خدا اور رسول کے قانون کو توڑنا بالکل ہی دوسری چیز ہے۔ اس سے تو آدمی کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اور وہ خدا کے غضب کا مستحق بن جاتا ہے۔ (ایضاً)

ان قوانین کی خلافت ورزی کا سوال الگ رہا۔ قانون کی خلافت ورزی مستوجب سزا ہوتی ہے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ

وفاقی شرعی عدالت نے ان قوانین میں سے رجم کی سزا کو خلافت اسلام قرار دے دیا ہے۔ اور علماء کو ام عدالت کے اس فیصلہ کے خلاف شور مچا رہے ہیں! رستم نہیں قانوناً ایسی مخالفت کی اجازت بھی ہے یا نہیں؟

آپؐ نے غور فرمایا کہ اس تمام صورت حال کی ذمہ دار جس سے اسلام کے متعلق جگہ ہنسائی ہو رہی ہے، کیا چیز ہے؟ وہی تاریخ کو غیر متبدل دین کا درجہ دے دینا، وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ ہماری نظروں سے نہیں گذرا اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے اسے کس سند اور دلیل کی رو سے مسترد کیا ہے۔ لیکن اسلامی نظریاتی کونسل جس نے اس قانون کو اسلامی قرار دیا تھا اور علماء حضرات جو اس کے اسلامی ہونے پر مصر ہیں، ان کی سند تاریخ ہی ہے۔ قرآن کے تو یہ صریحاً خلافت ہے۔ یہ حضرات خدا کے غضب سے نہیں ڈرتے۔ ایک اقدام قرآن کے خلاف کیا۔ غنیمت تھا کہ شرعی عدالت نے اس کی تصحیح کر دی۔ لیکن یہ حضرات خلافت قرآن قانون کو بحال کرنے پر مصر ہیں۔ (پناہ بخدا)

(۱۰)

میں تک بات مذہب سے متعلق تھی۔ اب آئیے سیاست کی طرف۔ دعوے یہ ہے کہ یہاں اسلامی نظام حکومت قائم کیا جائے گا اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اسلامی نظام کس قسم کا ہوتا ہے، پھر تاریخ کو کرینا شروع کر دیا گیا ہے۔ اس کرید سے کس کس قسم کی متضاد شکلیں سامنے آتی ہیں۔ اس کے متعلق ہم اس سے پہلے تفصیل سے لکھتے چلے آ رہے ہیں۔ اس مقام پر صرف دو چار مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے اسلامی نظام کے خط وخال کے تعین میں مرحوم مودودی صاحب پیش پیش تھے۔ دیکھئے، ان کی کردید کی رو سے کس کس قسم

کے متضاد نظریات سامنے آتے تھے۔

۱) چونکہ ہمارا مرکزی موضوع پارٹی سازی ہے اس لئے ہم پہلے مثال اسی سے متعلق پیش کرتے ہیں۔
مرحوم مودودی صاحب نے جب تک اپنی پارٹی (جماعت اسلامی قائم نہیں کی تھی، اسلام میں پارٹیوں کے وجود کے متعلق ان کا ارشاد یہ تھا کہ

یہ قوم تو پہلے ہی ایک جمعیت ہے۔ اس جمعیت کے اندر کوئی الگ جمعیت، الگ نام سے بنانا، اور مسلمان اور مسلمان کے درمیان کسی دروی یا ظاہری علامت یا کسی خاص نام یا کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنا اور مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر کے ان کے اندر جماعتوں اور فرقوں کی غصبتیں پیدا کرنا اور اصل مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں بلکہ ان کو اور کمزور کرنا ہے۔ یہ تنظیم نہیں، تفرق پر دازی اور گروہ بندی ہے۔ لوگوں نے آنکھیں بند کر کے جمعیت سازی کے یہ طریقے اہل مغرب سے لئے ہیں مگر ان کو معلوم نہیں کہ جو چیزیں دوسروں کے مزاج کو موافق آتی ہیں وہ مسلمانوں کے مزاج کو موافق نہیں آتیں۔ (پیام حق - فروری ۱۹۳۸ء)

اس کے تین ہی سال بعد انہوں نے اپنی پارٹی بنائی، اور نہ صرف یہ کہ اپنے اس اقدام کو مطابق اسلام قرار دیا بلکہ اس پارٹی کا نام ہی جماعت اسلامی رکھا اور اسے اقامت دین کی علمبردار قرار دیا۔ جب اپنی الگ پارٹی قائم کر لی تو ملک میں عام پارٹی سازی بھی مطابق اسلام قرار پائی۔ چنانچہ انہوں نے پاکستان آنے کے بعد کہا کہ جماعت اسلامی کسی بھی ایسی پارٹی کے ساتھ تعاون... کے لئے تیار ہے جو ملک کی خدمت کرنا چاہتی ہے۔ جماعت کو دوسری پارٹیوں سے کوئی کد نہیں لیکن پہلے ان جماعتوں کا وجود میں آنا ضروری ہے۔ (زوائے وقت - ۲۸ اگست ۱۹۶۲ء)

(۲) — ملک میں پارٹی سازی کے متعلق پارلیمان کے اندر پارٹیاں بنانے کے متعلق ان کا فیصلہ یہ تھا کہ عباس قانون ساز میں پارٹیاں بنانا اور اسے دستور ممنوع ہونا چاہیے۔ (دستوری تجاویز ۱۹۵۱ء)

اس کے بعد جب جماعت اسلامی نے پارلیمان میں شمولیت کا فیصلہ کیا، تو اسلام کا دوسرا فیصلہ سامنے آگیا۔ چنانچہ:-

جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے افراد کو ہر اسمبلی میں پارلیمانی پارٹی قائم کرنے کی ہدایت کی جائے۔ (کوہستان - ۱۸ اگست ۱۹۶۲ء)

وہ پہلا فیصلہ بھی اسلام کے مطابق تھا اور یہ دوسرا فیصلہ بھی اسلام کے مطابق!

(۳) پارٹی بازی کے بعد انتخابات کی طرف آئیے۔ تشکیل پاکستان کے بعد پہلے انتخابات ۱۹۵۵ء میں منعقد ہوئے۔ اس وقت جماعت اسلامی کی پوزیشن ایسی نہیں تھی کہ اسے انتخابات میں کسی قسم کی کامیابی حاصل ہو سکے۔ اس لئے مرحوم مودودی صاحب نے اعلان فرمایا کہ

اب ہم کو اس امر میں کوئی شک نہیں رہا کہ ہماری اجتماعی زندگی اور قومی سیاست کو جن چیزوں نے سب سے بڑھ کر گندا کیا ہے ان میں ایک امیدواری اور پارٹی ٹکٹ کا طریقہ ہے۔ اسی بنا پر جماعت اسلامی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس نا پاک طریق انتخاب کی جڑ کاٹ دی جائے۔ جماعت اسلامی نہ اپنے پارٹی ٹکٹ پر آدمی کھڑے کرے گی نہ اپنے ارکان کو آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونے کی اجازت دے گی۔ نہ کسی ایسے شخص کی تائید کرے گی جو خود امیدوار ہوا اور اپنے لئے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرے، خواہ انفرادی طور پر یا کسی پارٹی ٹکٹ پر یہی نہیں بلکہ جماعت اپنی انتخابی جدوجہد میں خاص طور پر یہ بات عوام الناس کے ذہن نشین کرائے گی کہ امیدوار بن کر اٹھنا اور اپنے حق میں ووٹ مانگنا آدمی کے غیر صالح اور نا اہل ہونے کی پہلی اور کھلی ہوئی علامت ہے۔ ایسا شخص جب اور جہاں کہیں سامنے آئے لوگوں کو فوراً سمجھ دینا چاہیے کہ یہ ایک خطرناک شخص ہے۔ اس کو ووٹ دینا اپنے حق میں کانٹے بونا ہے۔

(جماعت اسلامی کی انتخابی جدوجہد)

یہ اس وقت کے اسلام کا فیصلہ تھا۔ اس کے بعد جب ۱۹۵۶ء کے دستور کے تابع ہونے والے انتخابات میں انہیں انہی جماعت کی کامیابی کے امکانات نظر آنے لگے تو انہوں نے اعلان فرمایا کہ

جماعت اسلامی نے ۱۹۵۵ء کے انتخابات کے موقع پر ایک پالیسی کا اعلان کیا تھا اور وہ یہ تھی کہ امیدواری چونکہ اسلام میں ناجائز ہے اس لئے ہم نہ خود امیدوار بن کر کھڑے ہوئے اور نہ کسی امیدوار کو ووٹ دیں گے۔ بعد میں تجربات سے ہم کو معلوم ہوا کہ ہم ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ہر ضمنی اور عام انتخابات میں پورے ملک کی ہر نشست کے لئے اپنے معیار و مطلقہ کے مطابق موثر امیدوار کھڑے کر سکیں۔ اس لئے ہم نے سابقہ پالیسی میں یہ تغیر کر دیا ہے کہ ہم خود تو امیدوار بن کر کھڑے ہونے سے بدستور محتنب رہیں گے لیکن ناسد عناصر کے شر کو رفع کرنے اور ان کے مقابلے میں نسبتاً صالح اور اسلامی نظام کھامی عناصر کو آگے بڑھانے کے لئے جن امیدواروں کی تائید ناگزیر محسوس ہوگی انہیں ووٹ دیں گے بھی اور دلائل گئے بھی۔

(ترجمان القرآن - بابت مئی ۱۹۵۶ء)

سیکولر سیاست میں پالیسی میں اس قسم کی تبدیلیاں عام ہوتی ہیں۔ انہیں نہ مایوس سمجھا جاتا ہے نہ ناجائز۔ لیکن مروجہ بود و دی صاحب اپنی سیاست کو دین کے تابع رکھنے کے مدعی تھے۔ اس بنا پر یہ اعتراض پیدا ہوا کہ انتخابات کے متعلق یہ مقصد فیصلے کس طرح اسلام کے مطابق قرار پائیں گے۔ اس احساس کے ماتحت انہوں نے فرمایا: ہر معقول آدمی بیک نظر محسوس کر لے گا کہ ہماری یہ نئی پالیسی ٹھیک ٹھیک دینی نظام کے مطابق ہے اور اس میں دراصل کوئی اصول شکنی نہیں کی گئی۔ (ایضاً)

اس کے بعد جماعت اسلامی نے ہر انتخاب میں براہ راست حقہ لیا۔ انہوں نے انتخاب کے سلسلہ میں اپنی جماعت کا یہ نصب العین بیان کیا تھا کہ

دہ گمراہ اور آزمائشے ہوئے غلط کار لوگوں کے مقابلہ میں ان لوگوں کو قوم کے سامنے لانا چاہتا ہے جو دیندار بھی ہوں اور دیانتدار بھی۔ اور اس کے ساتھ حکومت چلانے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں۔

(منشور جماعت اسلامی - مسئلہ)

ان سے پوچھا گیا کہ اگر کنونشن مسلم لیگ کا کوئی امیدوار جماعت اسلامی کے معیار پر پورا اترنا ہو تو کیا جماعت اس کی حمایت کرے گی؟ انہوں نے فرمایا:-

اگر کنونشن مسلم لیگ کسی فرشتے کو بھی امیدوار کھڑا کرے تو جماعت اس کی حمایت نہیں کریگی کیونکہ ہمیں اس کے اصولوں سے اتفاق نہیں۔ (امروز - ۲۰ اگست ۱۹۶۲ء)

اس کے برعکس:-

اگر ایک ہندو جمہوری نظام کی حمایت کرتا ہے تو اسے میری تائید حاصل ہوگی کہ اس نے یہ اصول تو تسلیم کر لیا کہ ملک کا نظام اکثریت کی نظر سے ملنے کے مطابق ہونا چاہیے۔ (ایضاً)

اکثریت کے نظریہ کے مطابق نظام کو اصطلاحاً جمہوری کہا جاتا ہے۔ غیر منقسم ہندوستان میں مرحوم مودودی صاحب مسلم لیگ کے سخت مخالف تھے۔ جب ان سے کہا جاتا کہ مسلمانوں کی اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ ہے، اور ان کا مطالبہ ہے کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان میں ان کی اپنی آزاد حکومت قائم ہونی چاہیے، تو آپ ان کی مخالفت کیوں کرتے ہیں، تو ان کا جواب یہ تھا کہ

جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الہی قائم ہو جائے گی ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔

(ترجمان القرآن - مضمون سنہ ۱۳۶۶ھ)

امولی طور پر اکثریت کے فیصلوں کے متعلق انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ

اسلام تہذیب کی کثرت کو حق کا معیار تسلیم نہیں کرتا۔ (اسلام کا نظریہ سیاسی - ص ۱۴)

یعنی اس وقت اکثریت نظام کے متعلق اسلام کا فیصلہ یہ تھا کہ اور اس کے بعد ایک ہندو کو اس لئے ترجیح دی جاتی تھی کہ وہ اکثریت کے نظام کے حق میں تھا۔

(۴) ایک اور مثال - سوال یہ پیدا ہوا کہ اسلامی نظام حکومت میں صدر مملکت کے اختیارات کیا ہوں گے؟ مرحوم مودودی صاحب نے فرمایا:-

جب امیر کو چن لیا جائے گا تو اس کو سپاہ و سفید کے اختیارات ہوں گے۔ امیر کو مشورہ کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ عوام مجلس کے فیصلے کثرت رائے سے ہوں گے۔ مگر اسلام تہذیب کی کثرت کو حق کا معیار تسلیم نہیں کرتا۔ اسلام کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایک اکیلے شخص کی رائے مجلس کے مقابلہ میں برحق ہو۔ اور اگر ایسا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ حق کو اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ اس کی تائید میں ایک جہم غفیر نہیں ہے۔ لہذا، امیر کو حق ہے کہ اکثریت کے ساتھ اتفاق کرے یا اقلیت کے ساتھ۔

اور امیر کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ پوری مجلس سے اختلافات کر کے اپنی رائے پر فیصلہ کرے۔

(اسلام کا نظریہ سیاسی)

اس سے بھی واضح تر الفاظ میں، انہوں نے ترجمان القرآن کی جون ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں لکھا۔

امیر مملکت شوریٰ کی اکثریت کے مقابلہ میں ویٹو کا استعمال کر سکے گا۔

جماعت اسلامی نے پاکستان کے آئین کے سلسلہ میں جو دستوری خاکہ مرتب کیا تھا اس کی دفعہ ۲ میں یہ کہا گیا تھا کہ

امیر کو مجلس کی اکثریت کے مقابلہ میں ویٹو کا حق حاصل ہوگا۔

یہ اُس وقت کے اسلام کا فیصلہ تھا۔ (بہ قسمی سے) اس کے بعد صدر رابوب خان (مرحوم) کا دور آ گیا،

جن کے مرحوم مودودی صاحب سخت مخالف تھے۔ اس وقت سوال یہ اٹھا کہ صدر کے اختیارات کیا ہوں

گئے؟ ترجمان القرآن کی نومبر ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں ایک صاحب کا سوال اور مرحوم مودودی صاحب کا جواب

شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا — صدر ریاست کو ویٹو کا حق۔

مفسر نے یہ کہا تھا کہ عام طور پر یہ تجویز کیا جا رہا ہے کہ صدر مملکت کو ویٹو کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ اور

اس کی تائید میں حضرت ابو بکر صدیق کے ان فیصلوں کا حوالہ دیا جاتا ہے جن میں انہوں نے ویٹو کا حق استعمال کیا تھا۔

مرحوم مودودی صاحب نے جواب میں کہا کہ یہ تجویز اسلام کے خلاف ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جن

فیصلوں کا حوالہ دیا جاتا ہے، وہ ویٹو کی صورت سے فیصلے نہیں تھے۔ صدر مملکت کو ویٹو کا حق حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہم نے یہ مثالیں، یہ بتانے کے لئے پیش نہیں کیں کہ مرحوم مودودی صاحب مختلف اوقات میں متضاد فیصلے

دیا کرتے تھے۔ اس سے ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ اگر اسلام میں سند، صدرِ اول کی تائید (جس میں روایات بھی

شامل ہیں) کو قرار دے لیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپ کو اس سے ہر نظریہ کے موافق اور مخالف سندات

مل سکتی ہیں۔ مرحوم مودودی صاحب اپنے ہر تضاد فیصلے کی تائید میں کوئی نہ کوئی تائیدی سند پیش فرما دیا کرتے تھے۔

جب انہوں نے یہ کہا تھا کہ کتاب و سنت کی رو سے یہ ایک لازم کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں ہو سکتا جو سب

کے نزدیک متفقہ طور پر اسلامی قرار پاسکے تو ان کے پیش نظر یہی حقیقت تھی۔ اس کا انہیں ذاتی تجربہ تھا کہ

کتاب و تاریخ و روایات میں ہر تضاد نظریہ کی تائید میں سندات مل سکتی ہیں۔

(جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں) مذہبی فرقہ بندی کی بنیاد بھی انہی سندات پر ہے۔ اُمت کے لئے یہ

تفرقہ انگیزی بھی کچھ کم تباہی کا موجب نہیں، لیکن جب یہ انداز سیاست میں اختیار کیا جائے، تو اس سے ایسا

اُتشار پیدا ہو سکتا ہے جس سے خود مملکت کا وجود خطرہ میں پڑ جائے۔ مذہبی فرقوں کی صورت یہ ہے کہ انہوں

نے جو عقائد اور مسائل اختیار کر لئے ہیں، انہیں ابدی اور غیر متبدل قرار دے لیا ہے۔ (مثلاً) اگر ائمہ

حضرات کے نزدیک نماز میں سینے پر رکوع باندھنا شریعت کے مطابق ہے، تو ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ وہ کبھی

سینے پر ہاتھ باندھنا مطابق شریعت قرار دے لیں، اور کسی وقت زیرِ ناف ہاتھ باندھنا مطابق شریعت تسلیم کر

لیں۔ لیکن اگر مملکت کو اسی "اسلام" کے تابع رکھا گیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آج آئین کی ایک شق کو شریعت کے مطابق

تسلیم کیا جائے گا۔ کل کو (دوسری پارٹی) شریعت کا مقناذ فیصلہ لے آئے گی جس سے وہ شق کا لہجہ قرار پا جائیگا۔ ابھی تو دو چار قوانین سامنے آئے ہیں۔ کتاب و سنت کے مطابق، نظام مملکت یا اسلامی آئین کا کوئی ٹھکانہ مرتب کیجئے اور پھر دیکھئے کہ کتاب و سنت ہی کی روش سے، اس مسودہ کی کس طرح دھجیاں اڑتی ہیں۔ واضح رہے کہ کتاب و سنت میں کتاب (قرآن) کا لفظ محض برائے دین ہیث شامل کیا جاتا ہے۔ اصل سند "سنت" کو قرار دیا جاتا ہے۔ اور "سنت" مشتمل ہے ان تاریخی اور روایاتی حوالوں پر جن کا تذکرہ سابقہ صفحات میں ہمارے سامنے آچکا ہے۔ (مثال کے طور پر) رجم کی سزا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ اسے مطابق اسلام قرار دینے والے تاریخی سند سے ایسا کرتے ہیں۔ قرآن کو کوئی پوچھتا تک نہیں۔

آپ نے کبھی اس پر غور کیا ہے کہ اس صورت حالات کا نتیجہ کیا ہے؟ اسے ہم اپنی سابقہ اشاعت (بابت اپریل ۱۹۸۱ء) میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ اس مقام پر اس کے اساسی نکات کو دہرا رہا جاتا ہے۔

(۱) مملکت پاکستان کا وجود اس لئے علی میں لایا گیا تھا کہ اس میں اسلام اپنی منزہ شکل میں روبہ عمل ہو سکے۔

(۲) اس سے اقوام مغرب کو (خواہ وہ نظام سرمایہ داری کی حامل تھیں اور خواہ اشتراکی نظام کی خطرہ لاحق ہو) کہ اگر اس مملکت میں قرآنی نظام قائم ہو گیا تو اس کے سامنے ان کے کسی نظام کا چراغ جل نہیں سکے گا۔ اس لئے انہوں نے خیرا سی میں سمجھی کہ قرآنی نظام یہاں قائم نہ ہونے پائے۔ اس کا آسان ترین طریقہ یہ تھا کہ اس اسلام کو حقیقی اسلام مشہور کر کے اسے اجاگر کیا جائے جو ہمارے دور ملکیت میں وضع ہوا تھا اور جس کی سندات تاریخ سے ملتی ہیں۔ اسے (FUNDAMENTALISM) کی تحریک کہا جاتا ہے۔

(۳) ان سندات کا پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ کوئی متفق علیہ نظام یا ضابطہ قوانین مرتب ہو ہی نہیں سکتا۔ اس سے علاوہ اس کے کہ یہ ملک مستقل خلفشار کی آماجگاہ بنا رہے گا، دنیا میں یہ تاثر عام ہو جائے گا کہ اسلام ایک جلا ہوا کاروس ہے جو کسی زمانے میں تو زندہ قوت تھی لیکن اب روبہ عمل ہو نہیں سکتا۔ اس تاثر کے تحت مسلمان قومیں سیکور نظام کی طرف آنے پر مجبور ہو جائیں گی۔

(۴) اور اسلام کے نام سے اس طرح کے قوانین مرتب کئے جائیں جنہیں دیکھ کر ہماری نوجوان نسل نفس اسلام ہی سے برگشتہ ہو جائے۔ (جیسا کہ قرآن کریم نے آیت ۲۴۵ میں متنبہ کیا تھا) آپ ریفرنڈم کرائیے اور قوم کے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ سے پوچھئے کہ وہ ان قوانین کے منطبق کیا کہتے ہیں۔ ان کا جواب بتا دے گا کہ خود نفس اسلام کے متعلق وہ کس مقام پر پہنچ چکے ہیں؟ وہ محض معاشرہ کے دباؤ کی وجہ سے اسے زبان پر نہیں لاتے، ورنہ وہ دل میں اس سے نفرت ہو چکے ہیں، یا ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم رونا روئے رہتے ہیں کہ پاکستان میں سوشلزم ریگیمینورم سسٹم کی طرح اٹھ سے چلا آ رہا ہے۔ یہ صحیح ہے، لیکن ہم اتنا نہیں سوچتے کہ ایسا ہو کیوں رہا ہے؟ یاد نہ آتی ہے حقیقت اٹھ کر سامنے آ جائے گی کہ کمیونزم کو ہم خود آواز دیں دے دے کر بلارہے ہیں۔ مشہور فلاسفر پستال نے لکھا ہے کہ

انسانی ذہن اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ وہ کسی نہ کسی چیز پر ایمان رکھے۔ وہ جب خدا پر ایمان نہیں رکھتا

دیتا ہے تو شیطان کی پرستش کرنے لگ جاتا ہے۔ (انسان نے کیا سوچا؟ صفحہ ۳۳۹)

ہم اپنے نوجوانوں سے (دارما کر) خدا پر ایمان چھڑا رہے ہیں۔ اس کے بعد ان کے سامنے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہ جاتا کہ وہ شیطان کی پرستش کرنے لگ جائیں۔

اس طرح اقوام مغرب کی وہ اسکیم کامیاب ہو رہی ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ ہونہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں!

لتنی گہری ہوتی ہیں ان قوموں کی اسکیمیں! ساری دنیا میں غنڈہ مچ رہا ہے کہ اسلام کا قریب پھر رہا ہے اور فریضہ کیلئے یہ قریب آئے ہیں ملک میں سامان و ذرائع اور سہولتیں اور آسائشیں مہیا کر رہی ہیں۔ اس کے لئے ہم ان کے ممنون احسان ہوتے ہیں، اور کبھی نہیں سوچتے کہ قصاص بکھرے کو اس لئے پالتا ہے کہ اس نے اسے ذبح کرنا ہوتا ہے۔ اقبالؒ، مگر قصاص قوم کو ساحرین فرنگ کی اس سازش سے متنبہ کرنا رہا، لیکن اس کی کسی نے نہ سنی۔ ذرا سوچئے کہ اُس نے جب ایلیس کی زبان سے کہلوا یا تھا کہ

یہ ہماری سعی پیہم کی کرامت ہے کہ آج۔ صوفی و ملاطو کیت کے بندے ہیں تمام (اردنان جہان)

تو کسی نے یہ نہ سوچا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے! انہوں نے اپنی عمر کے آخری ایام میں، زبان و شعر کے رمز دیا کو بھی بالائے طاق رکھ دیا اور برہنہ حروف میں کہہ دیا کہ

مولوی کا ذہن پچھلے سو برس سے عقیم چلا آتا ہے۔ دیوبند کو دیکھئے۔ وہ بھی انگریزی شاہنشاہیت کی غیور آدمی تخلیق ہے۔ (اقبالؒ کے حضور۔ صفحہ ۳۸۵)

ان حضرات پر..... جو مشہور کرتے رہتے ہیں کہ دیوبند، اسلامی حکومت کے قیام کا دعویٰ چلا آ رہا ہے، علامہ اقبالؒ کی یہ حق گوئی گراں گزرتی ہے گی، لیکن اس کا کیا علاج کہ علماء دیوبند خود اقبالؒ کی تائید کرتے ہیں۔ مولانا اسرار احمد آزاد دیوبندی علماء ہیں۔ انہوں نے ایک مقالہ میں جو ہندوستان کے مشہور نیشنلسٹ اخبار مدینہ (دیکھو) کی ۱۹۴۳ء پر ۱۱ ستمبر کی اشاعت میں چھپا تھا، کہا تھا۔

یہ الزام بے بنیاد ہے کہ علماء ہند اس ملک میں اسلامی حکومت کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے تعلق رکھنے والے علماء نے کم از کم اس صدی کے آغاز سے ہندوستان میں جمہوری اور سیکولر حکومت کے قیام کو اپنا واضح العین قرار دے لیا تھا۔

یہی اقوام مغرب کا منشا تھا۔

اس زمانے میں اسلامی تعلیم کا سرچشمہ صرف دیوبند تھا۔ آج قدم قدم پر دیوبند کھلے ہوئے ہیں۔ نیازی (مرحوم) نے لکھا ہے کہ حضرت علامہؒ نے یہ الفاظ انتہائی گرب و اذیت کے عالم میں اٹھری اکھڑی سانس سے ————— بمشکل ادا کئے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اقوام مغرب کی اس سازش کے احساس سے ان کا قلب کس قدر مضطرب تھا! چالیس بیالیس سال پہلے کی بات ہے۔ آج وہ سازش کس قدر عریاں حقیقت بن کر سامنے آ رہی ہے۔ ج۔

طب مغرب میں مزے میٹھے، اثر خواب آدھی

ان اقوام کے ہاتھوں ہم نبوی طرح مات کھا گئے، اور ہمارے ہاتھوں اسلام مات کھا رہا ہے، **اَحْسِرَ الدُّنْيَا** کہ **الْآخِرَةُ ط** **كَذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ** (پڑھاؤ) کیسی بڑے تناکرہ دنیا ہے نہ دین۔

اس کا تو صرف قرآن کی ضرب کبھی ہے۔ اس میں مشکل یہ ہے کہ اس سے پہلے قرآنی نظام کے داعی کو اپنے ہاں کی مذہبی پیشوائیت کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اب ان کی پشت پر اقوام مغرب بھی ہیں۔ اس لئے اسے ان دونوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا جو بڑا اصرار مانگا۔ یہ فرعون اور ہامان دونوں کے خلاف اعلان جنگ ہو گا۔ جس کے لئے کسی بڑے باہمت مردِ مومن کی ضرورت ہو گی۔ جو عشقِ نبردِ پیشہ طلب گارِ مرد ہے

(۱)

آخر میں ہم دو ایک ایسے اعتراضات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جو اس باب میں عام طور پر وارد کیے جاتے ہیں۔
(۱) کہا جاتا ہے کہ اگر قوم میں پارٹیاں بنائے گی اجازت نہیں ہو گی، تو یہ (ONE PARTY GOV) ہو جائے گی، جو ڈکٹیٹر شپ کا دوسرا نام ہے۔ سیکولر نظام میں ایک اندازہ یہ بھی ہے کہ اب باب اقتدار قوم میں سے اپنی پسند کے افراد کو اکٹھا کر لیتے ہیں اور نظام اقتدار ان کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے۔ وہ قوت کے بل بوتے پر، باقی قوم پر حکومت کرتے ہیں، یہ یک۔ جماعتی نظام کہلاتا ہے جو واقعی آمریت ہے لیکن قرآنی نظام میں یہ صورت پیدا نہیں ہوتی۔ اس میں امت میں ایک پارٹی نہیں، بلکہ پوری کی پوری امت شریک حکومت ہوتی ہے۔ قرآن میں مشاورت کا حکم پوری امت کے لئے ہے۔ قرآنی نظام قائم کرنے والوں کا فرامیہ ہو گا کہ وہ سوچیں کہ بحالات موجودہ، اس مشاورت کی عملی شکل کیا ہو گی۔ (ONE PARTY GOV) گورنمنٹ نہیں، بلکہ (PARTY LESS) گورنمنٹ ہو گی۔ چونکہ ہم مغرب کے جمہوری نظام کے جوگر ہو چکے ہیں، اس لئے اس قسم کی حکومت کا تصور ہمارے ذہن میں فٹ نہیں بیٹھتا۔ اقبالؒ نے ان حضرات کی اس دشواری کے پیش نظر کہا تھا کہ

ہاں میں نکتہ توجید آ تو سکتا ہے تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کیئے

یہ تو وہی مغرب زدہ ذہنیت۔ جہاں تک مذہبی ذہنیت کا تعلق ہے، اس کے متعلق اگلے شعر میں ہے یہ وہ رمز شوق کہ پوشیدہ لالہ میں ہے طریق شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کیئے

(۲) دوسرا اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم کو سند اور حجت تسلیم کر لیا جائے، تو اس کی تعبیرات (INTERPRETATION) میں فرق ہو گا، اور اس سے قوم میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ اس قسم کا اعتراض کرنے والے قرآن کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ اگر (جیسا کہ معترضین کا خیال ہے) قرآن واقعی ایسی کتاب ہے جس کے احکام کی تعبیرات میں اختلاف۔۔۔ ہو سکتا ہے تو اس سے اس کے منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ ہی باطل قرار پا جاتا ہے۔ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ تو کائناتِ وحیِ عینِ غیبِ اللہ توجید و اتیانہ اختلافاً کثیراً (پڑھاؤ)۔ اگر یہ خدا کی کتاب نہ ہوتی، کسی اور کی ہوتی

تو اس میں بہت اختلافات پائے جاتے۔ اس کے منجانب اللہ سولے کا ثبوت یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ قرآن میں عدم اختلاف کے معنی یہ نہیں کہ اس کے متن میں کسی قسم کا اختلاف نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دعادی اور احکام میں کوئی اختلاف نہیں۔ تعبیرات یا استنباط میں اختلاف خود کتاب کا اختلاف ہوگا۔

قرآن کریم نے بہ حیثیت مجموعی اصولی احکام دیئے ہیں، اور اسے اسلامی مملکت پر چھڑا ہے کہ وہ اپنے طریق وضع کرے جن کے مطابق ان اصول احکام پر عمل کیا جائے۔ حالات کے اختلاف سے ایک ہی حکومت، اپنے سابقہ اختیار کردہ قواعد و ضوابط میں تبدیلی کر سکتی ہے۔ اور بعد میں آنے والی حکومت بھی۔ یہ اختلافات، قرآنی احکام کی تعبیرات کا اختلاف نہیں۔ قرآنی احکام کے رو بہ عمل لانے کے طریق کا اختلاف ہے۔ آپ مختلف فرقوں میں جو اختلاف دیکھتے ہیں، اس کی وجہ قرآن کی تعبیرات کا اختلاف نہیں۔ قرآن کو تو یہ حضرات درمیان میں لٹے ہی نہیں۔ انہوں نے کسی سابقہ زمانے کے عملی طریق و ضوابط کو غیر متبدل اسلام قرار دے رکھا ہے، اور ہر فرقہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس کے اختیار کردہ قواعد و ضوابط شرعی کتاب و سنت کے مطابق ہیں۔ اسے سطح میں لوگ قرآن احکام کی تعبیرات سمجھ لیتے اور پھر یہ اعتراض جھڑپتے ہیں کہ قرآن کی تعبیرات مختلف ہو سکتی ہیں۔ جب اسلامی حکومت قرآن کو مستند و حجت قرار دے کر اس کے احکام و اصول کو نافذ کرنے کے طرق و اسانیب اختیار کرے گی، تو یہ قرآن کی تعبیرات نہیں بدلیں گی۔ اس کے احکام کی تنفیذ کے مختلف طریقے ہوں گے۔ یہ طریق امت کے باہمی مشورہ سے طے ہوں گے، حقیقت یہ ہے کہ خود اسلامی حکومت امت کے مشورہ سے قائم ہوگی۔ قرآن کریم میں مشاورت کی دو آیات آتی ہیں۔ اور ان دونوں کے مفہوم میں بڑا لطیف اور عمیق فرق ہے۔ ایک آیت میں نبی اکرم ص سے کہا گیا ہے کہ **فَرَا شَا وَرَهْطُہٗ فِی الْاَمْرِ** (۲۵۹) اور دوسری آیت میں امت مسلمہ کے متعلق ہے کہ **وَ اَمْرُہُمْ شُورٰی بَیْنَہُمْ**۔ (۲۵۶) الفاظ دونوں آیتوں کے ایک جیسے ہیں

لیکن ان الفاظ کی ترتیب میں جو فرق ہے وہ بڑا معنی خیز ہے۔ امر کے معنی اور مملکت یا حکومت ہیں۔ رسول اللہ ص سے کہا گیا ہے کہ آپ امور مملکت کے بارے میں جاخصت مومنین سے مشورہ کیا کریں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مملکت خود حضور نے قائم فرمائی تھی۔ حضور اس کے سربراہ تھے لیکن آپ کی یہ سربراہی امت کے مشورہ سے عمل میں نہیں آئی تھی۔ منصب رسالت کی حیثیت سے حضور اس کے اولین سربراہ تھے۔ جب امت کو مشاورت کا حکم دیا گیا تو کہا گیا کہ ان کی مملکت، حکومت، باہمی مشاورت سے قائم ہوگی۔ یعنی اسلامی حکومت کا قیام (سربراہ مملکت کا انتخاب) بھی مشورہ سے ہوگا اور پھر جملہ امور مملکت بھی مشورہ سے طے پائیں گے۔ اس کی وضاحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں فرمائی تھی کہ لا خِلاۃَ اِلَّا عَنْ مَّشُورَۃٍ۔ کوئی مملکت جو مشورہ کے بغیر قائم ہو، خلافت (اسلامی) نہیں کہلا سکتی۔ (کنز العمال) دوسری جگہ ہے: **مَنْ بَايَعَ عَنْ غَیْرِ مَشُورَۃِ الْمُسْلِمِیْنَ فَانَدَہُ**

لا سیچلے لے (تاریخ طبری) جو شخص عام مسلمانوں کے شعوری کے بغیر کسی شخص کو امیر قرار دے کر بیعت کرے گا تو اس کی بیعت کا عدم قرار پائے گی۔ ان ارشادات سے دو باتیں واضح ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی حکومت جو امت کی رہنمائی اور مشورہ کے بغیر قوت کے بل بوتے پر مسلط کی جائے، اسلامی نہیں کہلا سکتی۔ اور دوسری یہ کہ شاید درست کسی ایک بات کی نہیں پوری کی پوری امت کی ہوجی۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ آں جنسرفہ نو کیر جہ بن کی انتخاب تو سقیفہ بنی سعدہ کے مختصر سے اجتماع میں عمل میں آیا تھا لیکن دوسرے دن امام امت کے نامدگان نے آپ کی بیعت مسجد نبوی میں آکر کی تھی جس میں مہاجر اور انصار سب شامل تھے۔

یہ ہے اسلامی حکومت کا مختصر ہیمون۔ لیکن اسے قائم کرنے کے لئے بڑے اور العزم مردان مومن کی ضرورت ہوجی جو مذہبی پیشوائیت اور مدنی استعاریت دونوں کا مقابلہ کر سکیں۔

مذبحہ اسلام کا نظام حکومت - الاموالا حامد الانصاری (مجموعہ ۳۲۹)

ایک مدت کے امتداد کے بعد عصر حاضر کی نہایت اہم تصنیف

نظامِ ربوبیت

(یہ پہلے ایڈیشن سے نہیں مختلف ہے)

آپ ایک عرصہ سے سنتے چلے آ رہے ہیں کہ اسلام، نہ نظامِ مریہ دارن کا حامی ہے نہ کیونرم کا۔ اس کا اپنا مفرد معاشی نظام ہے جس میں نوع انسان کی مشکلات کا حل مضر ہے۔ لیکن کسی نے یہ نہ بتایا کہ اسلام کا وہ معاشی نظام ہے کیا؟ مفکر قرآن سے، پروریز صاحب کے مسے تصنیف میں نہایت وضاحت بتا گیا ہے کہ:-

① نظامِ سرایہ داری کیا ہے؟ کیونرم اور سوشلزم کے نظام کیا ہیں اور کیوں ناکام رہ گئے ہیں۔

ان کے برعکس

② اسلام کا وہ معاشی نظام کیا ہے جو نوع انسان کی مشکلات کا حل پیش کرتا ہے۔ اس کی روشنی میں یہ بھی بتا گیا ہے کہ:-

* مارکس نے کس طرح یہ اعتراض کیا کہ اس نظام کا قابل عمل ہے۔ * ورنے ٹنگ کا فلسفہ انسان کی بنیادیں کس طرح نا مستواریں۔

* رتوز (سود) کا مسئلہ کیا ہے اور اس کا حل کیا ہے۔ * زکوٰۃ کا استدائی مفہوم کیا ہے۔

اس کتاب کے بعد آپ کو معاشیات کے موضوع پر کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں رہے گی۔

کتاب، آفٹ کی چھپائی میں، والائی رفیق کاغذ پر لیں ہوئی ہے۔ صفحات سوا چار سو صفحات — خبری جلد

قیمت فی جلد پچاس روپے — (اعلاہ محصول ڈاک) — طبع کاہنہ *

ادارہ طلوع اسلام پبلیکیشنز لاہور ○ مکتبہ دین دانش چوک اردو بازار لاہور